جناب محمد یوسف گورایہ

سائنسی، فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم

بامقصد تعلیم افرادِ معاشرہ کی فطری صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرتی ہے، ان کی ذہنی اور جسمانی توانائیوں کو جلا بخشتی ہے، اور وہ تندرست ذہن اور توانا بدن کے ساتھ ملک وملت کی خوشحالی، ترقی اور مضبوطی کے لیے انتھک محنت کرتے ہیں۔ فطری صلاحیتوں میں نکھار سے طبعی رجحانات کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ ان رجحانات کا تتبع انسان کو زندگی بھر خوب سے خوب تر کی تلاش میں مگن رکھتا ہے۔ اس تلاش وجستجو میں وہ تعمیری اور تخلیقی خدمات انجام دے کر روحانی خوشی محسوس کرتا ہے۔

فطری اور طبعی رجحانات کا منظم اظہار فن کہلاتا ہے اور اسے باضابطہ طور پر عملی زندگی میں اختیار کرنے کا نام پیشہ ہے۔ ترقی یافتہ معاشرے کا نصابِ تعلیم اور طریقِ تدریس افرادِ معاشرہ کو ان کے طبعی میلانات کے مطابق فن اور پیشہ اختیار کرنے میں مدد دیتا ہے اور حکومتیں فنون اور پیشوں کی سرپرستی کرتی ہیں۔ اس طرح کاریگر پوری دلجمعی، اطمینانِ قلب اور ذہنی سکون کے ساتھ ملک وملت کی ترقی میں شب وروز مصروف رہتے ہیں۔ پس ماندہ معاشرے کا نصابِ تعلیم اور طریقِ تدریس، افرادِ معاشرہ کو ان کے جبلی اور طبعی رجحانات کا شعور حاصل کرنے میں مدد نہیں دیتا۔ لوگ مادی اور معاشی ضروریات کے تحت ایسے پیشے اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جن کا تعلق ان کے فطری رجحانات سے نہیں ہوتا۔ مجبوری کے تحت اختیار کیے گئے پیشوں میں کاریگر کو اطمینانِ قلب اور سکونِ ذہنی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ کام کے دوران اکتاہٹ، تھکاوٹ، مایوسی اور بددلی کا شکار رہتا ہے۔ اسے ان جبلتوں سے کام لینا پڑتا ہے جو یا تو اس میں مفقود ہوتی ہیں یا بہت کم موجود ہوتی ہیں۔ اس کی کارکردگی کی رفتار بہت کم ہوتی ہے۔ طبعی میلانات اور پیشے میں عدم توافق کے سبب اس کی اصل صلاحیتیں بیکار رہتی ہیں، اس تعطل کے دوران وہ انسان کو شر اور شرارت پر اکساتی ہیں اور وہ نہ صرف خود بہت کم کام کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی کام سے روکنے کے لیے مختلف قسم کے تخریبی حربے اختیار کرتا ہے۔

یہ صورتِ حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب قومیں اجتہادی واستنباطی صلاحیتیں کھو بیٹھتی ہیں۔ خو [illegible] اپنے حالات کا جائزہ لے کر ان کے مطابق تعلیم وتربیت کا نظام وضع نہیں کرتیں۔ ایسے معاشرے [illegible] کا پیشہ [illegible]

کر لیتے ہیں، دوسروں کے نصاب تعلیم واصول تدریس درآمد کرکے اپنے حالات اور افراد کی علمی اور ذہنی سطح کا تجزیہ کیے بغیر انھیں اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بظاہر فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم پر کروڑوں اور اربوں روپے خرچ ہو رہے ہوتے ہیں لیکن عملاً ملکی ترقی اور خوشحالی کے حوالے سے غور کیا جائے تو اس کا نتیجہ خاطر خواہ نہیں ہوتا۔

ترقی یافتہ معاشرے کے نظامِ تعلیم کو ترقی پذیر معاشرے کے افراد کی ذہنی اور علمی سطح کے مطابق بنانے کا کام کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ جو معاشرے اخذ و اختیار کے درمیانی عمل کی اہمیت و ضرورت کا شعور حاصل کر لیتے ہیں، وہ آسانی کے ساتھ اس مرحلے سے گزر کر ایک قدیم اور روایتی معاشرے سے نکل کر ترقی یافتہ معاشرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جو معاشرے اس نازک اور اہم عمل کی اہمیت و ضرورت کو نظر انداز کرکے درآمد کردہ نظام کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے ترقی یافتہ معاشرے میں منتقل ہونے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوتا۔

پاکستان ایک قدیم معاشرہ ہے۔ اس کے کاریگر اور پیشہ ور افراد صدیوں پرانے فنی اور پیشہ ورانہ طریقوں اور اوزاروں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ دورِ جدید میں فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم میں عظیم انقلابات رونما ہو چکے ہیں۔ سائنسی اور تکنیکی ایجادات مسلسل انقلابات بپا کر رہی ہیں۔ قطب نما اور اوزار ہر روز بدل رہے ہیں۔ افراد کی جگہ مشینیں کام کر رہی ہیں۔ ایجادات و انکشافات کے سبب صدیوں اور سالوں کے کام مہینوں اور دنوں میں انجام پا رہے ہیں۔ زمان و مکان کے تصورات بدل رہے ہیں۔ سائنسی اور فنی انقلابات و تغیرات کے سبب عام انسانی ضروریات میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ جو چیزیں سامانِ تعیش خیال کی جاتی تھیں، بنیادی انسانی ضروریات قرار پا گئی ہیں۔ اشیائے آسائش و سہولت کی پیداوار اور فراہمی سے انسانی ضروریات کی حدود لامتناہی ہو گئی ہیں۔ انسانی طبقات کی مصنوعی حدود کے پامال ہو جانے سے اشیائے آسائش و سہولت کا حصول ہر انسان کی پہنچ میں ہے۔ اس میں اگر کوئی چیز مانع ہے تو غربت اور راتوں رات امیر بننے کی خواہش کا یہی پس منظر ہے۔ پاکستان کے قدیم روایتی معاشرے کے کاریگر اور پیشہ ور افراد اور ان کے اوزار و ہتھیار جدید فنی اور پیشہ ورانہ علوم و فنون، سائنسی اور تکنیکی ایجادات و انکشافات اور بڑھتی ہوئی انسانی حاجات و ضروریات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے، جس کی پچاسی فیصد سے زیادہ آبادی دیہاتی ہے۔ فنی اور پیشہ ورانہ

یلیم کا تعلق ملک کے ذرائع معیشت اور آبادی کے مسائل سے ہوتا ہے۔ پاکستان کی فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم ِاعت اور اس سے متعلق آبادی سے ہے۔ دورِ جدید میں صنعت کو بے حد اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ راعت پر صنعت کی بالادستی میں مغربی استعمار کا بڑا دخل ہے۔ یورپی استعماری قوتیں مغلوب اقوام کے زرعی عدنی وسائل پر قانع نہ رہیں۔ ان ملکوں کے خام مال کو مختلف مصنوعات میں بدل کر دوگنا نفع حاصل کرنے ی خواہش کے نتیجے میں یورپ میں صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔ مغلوب ملکوں کی آزادی کے بعد دنیا دو حصوں ں بٹ گئی۔ مشرقی نوآزاد ممالک خام مال پیدا کرنے والی دنیا اور مغربی استعماری ممالک خام مال کو مصنوعات ی شکل دینے والی صنعتی دنیا۔ آزادی کے بعد مغربی دنیا کی ترقی یافتہ معیشت اور خوشحالی کا دارومدار صنعت ور صنعتی علوم — سائنسی، تکنیکی، فنی اور پیشہ ورانہ — پر اجارہ داری قائم رکھنے پر تھا۔ استعماری ہد میں مغربی ممالک نے جتنی صنعت اپنے ملکوں میں قائم کی تھی اس کے لیے ضروری خام مال اور افرادی وت کی فراہمی انھیں اپنے ہاں دستیاب نہ تھی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ مشرقی نوآزاد ممالک کو اپنے ذرائع معیشت پر انحصار کرنے کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ خالص زرعی مشرقی ممالک بشمول پاکستان ایسی صنعت کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے جس کا تعلق ان کی زرعی معیشت سے ہوتا۔ اول تو صنعت حیثیت مجموعی ناکافی قائم ہوئی اور جتنی قائم ہوئی وہ بنیادی ذرائع معیشت — زراعت و معدنیات — سے بے جوڑ رہی۔

پاکستان کے بنیادی ذرائع معیشت — زراعت و معدنیات — دیہات میں ہیں۔ ان کی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنے کے لیے ان سے متعلق فنی اور پیشہ ورانہ مرکز بھی دیہات میں ہیں۔ کسان، لوہار، ترکھان، کمہار، موچی، جولاہا، درزی، دھوبی، نائی۔ کسان، لوہار اور ترکھان، زرعی معیشت یں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ پیداواری عوامل (PRODUCTIVE FORCES) ہیں۔ ہار اور ترکھان کی فنی اور پیشہ ورانہ صلاحیتیں زرعی و معدنی اوزار اور ہتھیار فراہم کرتی ہیں اور کسان ی محنت اور مشقت زمین سے فصل اور غلے کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ کمہار ذرائع مواصلات اور رسل و رسائل کے فرائض انجام دے کر زمین کی پیداوار کو شہروں اور منڈیوں تک پہنچاتا ہے۔ موچی، جولاہا اور درزی زرعی معیشت سے متعلق لوگوں کے لیے جوتے اور کپڑے کی صنعت کاری کا کام کرتے ہیں۔ نائی اور دھوبی ان کے بدن اور لباس کی صفائی اور پاکیزگی کی خدمات بجا لاتے ہیں۔ یہ پیشہ ور مددگار عوامل ہیں۔ پاکستان

میں یہ نظام زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ دَورِ جدید کی سائنسی، فنی اور تکنیکی ایجادات اس نظام پر اثرانداز ہو رہی ہیں، ہل کی جگہ ٹریکٹر اور رہٹ کی جگہ ٹیوب ویل لے رہے ہیں۔ جوتے اور کپڑے کی دیہاتی صنعت کی جگہ باٹا اور سروس شوز کمپنیاں اور ٹیکسٹائل ملیں لے رہی ہیں۔ دیہاتی ذرائع رسل و رسائل کی جگہ ٹرک اور ٹرالیاں لے رہی ہیں۔ افراد کی جگہ مشین کے کام کرنے سے پیداواری عوامل اور مددگار عوامل بہت متاثر ہو رہے ہیں۔ زمین کو پیدائش کے قابل بنانے کے لیے ہل، بنیادی عامل ہے۔ اس کے لیے لکڑی دیہات سے دستیاب ہو جاتی ہے اور ترکھان اور لوہار کی فنی اور پیشہ ورانہ مہارت سے وہ ہل کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

بیج کے اُگنے کے لیے مناسب نمی اور فصل کی سیرابی کے لیے رہٹ دوسرا بنیادی عامل ہے۔ کنوئیں اور رہٹ گاؤں کے مزدوروں، کاریگروں اور لوہاروں کی فنی اور پیشہ ورانہ مہارت سے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہل اور رہٹ کی مرمت کے لیے سامان اور مہارت دیہات میں دستیاب ہیں۔ ٹریکٹر اور ٹیوب ویل، ہل اور رہٹ کی جگہ تو لے رہے ہیں، لیکن دیہاتی معاشرتی نظام میں ان کی تیاری اور مرمت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس عدمِ انتظام سے زرعی معیشت کے قدیم عوامل متاثر ہو رہے ہیں۔ لوہار اور ترکھان مایوسی اور بیکاری کا شکار ہو رہے ہیں۔ کسان ٹریکٹر اور ٹیوب ویل کی تیاری اور مرمت کا انتظام نہ پا کر پریشانی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ چھوٹے کسان جو زرعی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں وہ ٹریکٹر کی خرید اور ٹیوب ویل کی تنصیب کی قوت نہ پا کر بددل ہو رہے ہیں، قدیم نظام ان کا ساتھ نہیں دے رہا اور جدید نظام کا وہ ساتھ نہیں دے رہے۔ ہل اور رہٹ کی جگہ ٹریکٹر اور ٹیوب ویل کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے جن اخراجات کی ضرورت ہے وہ ان کے متحمل نہیں۔

جوتے اور کپڑے کی دیہاتی صنعت سے متعلق موچی اور جولاہے، جوتا ساز کمپنیوں اور ٹیکسٹائل ملوں کی وسیع پیمانے پر بنی ہوئی مصنوعات کے مقابلے میں بیکار اور مایوس ہو رہے ہیں۔ دیہاتی فنی ماہرین اور پیشہ وروں کی مایوسی اور بیکاری کے ساتھ عام دیہاتی آبادی بھی شہری جوتا ساز کمپنیوں اور ٹیکسٹائل ملوں کی مصنوعات کی وجہ سے نفسیاتی اور عملی دشواریوں سے دوچار ہو رہی ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیاں اور ملیں جوتے اور کپڑے کی مصنوعات شہری مزاج اور رسم و رواج کے مطابق بناتی ہیں۔ دیہاتی مزاج، رسم و رواج اور موسم کا کوئی لحاظ نہیں رکھتیں۔ ان کے بنائے ہوئے کپڑوں میں اتنی سکت نہیں ہوتی کہ وہ کھلے کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں اور زرعی مزدوروں کو موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ اور جاڑے کی سخت سردی سے بچا

ں۔ ان میں ملائمت اور خوش نمائی کا پہلو غالب ہوتا ہے جبکہ کھیتوں میں کام کرنے والوں کے لیے مضبوطی سادگی درکار ہوتی ہے ۔ شہری جوتا ساز کمپنیوں کے جوتے پختہ سڑکوں پر چلنے والے شہریوں اور صاف و ار میدانوں میں کھیلنے والے کھلاڑیوں کے لیے بنائے جاتے ہیں، جن میں نزاکت اور خوبصورتی کا پہلو نمایاں تا ہے ۔ کھیتوں کے روڑوں، پتھروں کی سلوں، ناہموار پگڈنڈیوں اور دشوار گزار جنگل، میدانی اور پہاڑی قوں میں کام آنے والے مضبوط اور آرام دہ جوتے ان کی صنعت میں شامل نہیں ہوتے ۔ دیہاتی موچی اور لاہے کی مایوسی اور بیکاری کی وجہ سے دیہاتی آبادی شہری کمپنیوں اور ملوں کے جوتے اور کپڑے خریدنے پر ور ہو رہی ہے ۔ جو نہ ان کے مزاج، رسم و رواج اور موسم کے مطابق ہیں اور نہ ہی وہ ان میں آرام و سہولت سوس کرتے ہیں۔ افرادی دور سے مشینی دور میں انتقال کے عمل کو آسان بنانے اور اس دوران پیدا ہونے الی معاشرتی، فنی اور پیشہ ورانہ پیچیدگیوں کو مسلسل حل کرنے کے لیے شعوری طور پر منظم طریق کار نہ اپنانے کی جہ سے دیہاتی نظامِ معاشرت و معیشت تباہ ہو رہا ہے اور دیہاتی آبادی وسیع پیمانے پر نقل مکانی کر کے ہروں اور بیرونِ ملک کا رُخ کرنے پر مجبور ہو رہی ہے ۔

دیہاتی فنی ماہرین اور پیشہ ور لوگ معاشی عدمِ استحکام اور سماجی عدمِ تحفظ کے سبب دیہات سے شہر کی طرف نقل مکانی کر رہے ہیں۔ دیہاتی نظامِ معاشرت میں وہ ذات پات کے قدیم ہندوانہ نظام کے تحت نیچ ذات "کمی" کہلاتے ہیں۔ انھیں اس معاشرت میں اپنی رائے کے اظہار کا حق حاصل نہیں۔ اجتماعی مسائل کی انجام دہی میں انھیں مشاورت کے اہل نہیں سمجھا جاتا۔ اب تک وہ اس حیثیت پر بھی قانع تھے۔ لیکن جب اپنے فن و مہارت پر مشین کے حملے کی تاب نہ لا کر وہ معاشی عدمِ استحکام کا شکار ہوئے تو ان میں معاشی و سماجی کا دوہرا بوجھ برداشت کرنے کی سکت نہ رہی اور وہ نقل مکانی پر مجبور ہو گئے ۔ شہری معاشرت میں انھیں معاشی استحکام اور سماجی تحفظ دونوں حاصل ہو گئے ۔ شہر میں مشین پر کام کرنے سے وہ خوش حال ہو گئے اور خوشحالی کے نتیجے میں شہری معاشرت میں انھیں سماجی تحفظ بھی حاصل ہو گیا۔ اس وقت ملک کے صنعت کاروں اور کارخانہ داروں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں سے بیشتر دیہاتی لوہار، ترکھان، موچی اور جولاہے ہیں، جو ذات پات کی زنجیریں کاٹ کر نقل مکانی پر مجبور ہوئے تھے ۔ اب وہ شہر میں بڑی بڑی جوتا ساز کمپنیوں، صنعتی کارخانوں، ٹیکسٹائل ملوں کے مالک اور معزز شہری ہیں۔ اب انھیں موچی، لوہار اور جولاہے جیسے حقیر ناموں سے کوئی نہیں پکارتا۔ ان کی اولاد پڑھ لکھ کر اعلیٰ فوجی اور انتظامی عہدوں پر

فائز ہے۔ تعلیم اور خوشحالی کے سبب ان میں سے بعض قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں پہنچ چکے ہیں، جبکہ یہاتی معاشرت میں وہ گاؤں کی پنچایت کے ممبر بننے کے اہل بھی نہیں سمجھے جاتے تھے۔

یہ نقل مکانی فنی ماہرین اور کاریگروں کے لیے تو بے حد مفید ثابت ہو رہی ہے لیکن اس سے ملک کی زرعی عیشت بُری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ کسان کے ہل کے پیچھے لوہار اور ترکھان کی فنی مہارت کام کر رہی تھی، ہل ور رہٹ کی جگہ ٹیوب ویل نے لے لی۔ لوہار اور ترکھان نقل مکانی کر گئے۔ اب کسان کے پاس نہ ہل رہا ہ رہٹ، نہ لوہار رہا نہ ترکھان۔ ٹریکٹر کی خرید اور ٹیوب ویل کی تنصیب کی اس میں سکت نہیں۔ بڑے ڑے زمیندار اور جاگیردار سرمایے کے زور پر ٹریکٹر اور ٹیوب ویل کا کرایہ فی ایکڑ منہ مانگے داموں حاصل ر رہے ہیں اور زرعی اصلاحات سے مزارعت اور ملکیت کے تحفظ کے باوجود کسان بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں لے استحصال کا شکار ہیں۔ ہمارے ملک کے دیہاتی، فنی ماہرین اور پیشہ ور لوگ بڑے ذہین، محنتی اور فاکش ہیں، اگر انھیں معاشی اور سماجی تحفظ دیہات میں میسر آ جائے تو وہ نقل مکانی نہ کریں اور اپنی مہارت ور محنت سے ملک کی زرعی معیشت کو بھی چار چاند لگائیں۔

جدید سائنسی، تکنیکی اور فنی علوم و ایجادات سے مستفید ہونے کے لیے بعض لوگوں کو یورپی ممالک ں اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور ان ممالک کی پیروی میں ملک میں بڑے بڑے ی ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت یافتہ افراد مغربی صنعتی ممالک میں قائم شدہ فنی اداروں خطوط پر پاکستان میں ادارے قائم کرتے ہیں۔ ویسا ہی نصاب تعلیم و تربیت ترتیب دیتے ہیں۔ مغربی طرز پر ڈھلے وئے فنی ماہرین اور ان کی زیر نگرانی تربیت پانے والے نئے کاریگر مغربی صنعتی ضروریات پوری کرنے کی لاحیت پیدا کر لیتے ہیں اور مغربی خطوط پر قائم شدہ ملکی صنعت میں کام کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں۔ بیرون ے جن جن ممالک میں ایسی صنعتیں قائم ہوتی ہیں ان میں کام کرنے کے بھی قابل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ غربی تربیت یافتہ فنی ماہرین اور ان کے تیار کردہ کاریگر ملک کی زرعی معیشت میں مددگار ثابت نہیں ہوتے۔ ن کا ذہن و فن ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے جو مغربی صنعتی ماحول کی پیداوار ہوتی ں۔ جدید فنی ماہرین اور کاریگر شہروں اور بیرون ملک کی طرف وسیع پیمانے پر نقل مکانی کر رہے ہیں لیکن میں سے کوئی بھی دیہات کی طرف رخ نہیں کرتا جہاں پاکستان کو اپنی معیشت کے ساتھ کام کے لیے ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

جب کوئی قدیم معاشرہ جدید معاشرے کو جنم دے رہا ہوتا ہے تو اس وقت اسے پیدائش کی انہی کلفتوں اور مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے، جن میں سے ماں بچے کو پیدا کرتے وقت گزرتی ہے۔ اس انتہائی نازک اور خطرناک مرحلے پر ملک کا دانشور طبقہ اپنے علم اور تجربے کو بروئے کار لا کر وہی کردار ادا کرتا ہے جو بچے کی پیدائش پر دایہ ادا کرتی ہے۔ پاکستان ایک قدیم روایتی معاشرے سے جدید ترقی یافتہ معاشرے میں منتقل ہو رہا ہے۔ انتقال کے عمل کو آسان بنانا، اس دوران پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو حل کرنے کے لیے منظم طریق کار وضع کرنا، قدیم روایات میں سے جاندار عناصر کو باقی رکھنا اور جدید علوم و فنون کو حسب حال بنانا، دانشور طبقے کا کام ہے۔ ماضی سرتاسر غلط نہیں ہوتا، حال از سرتا بقدم درست نہیں ہوتا۔ ماضی اور حال کے تعمیری اور جاندار اصول ہی روشن مستقبل کی ضمانت ہوتے ہیں۔

پاکستان میں سائنسی، فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم اسی صورت میں بامقصد ہو سکتی ہے جبکہ اس کا تعلق براہ راست ہمارے ذرائع معیشت سے ہو اور وہ مددگار عوامل کی حیثیت سے ملکی معیشت کو تقویت دے۔ پاکستان کی معیشت کی بنیادیں زراعت پر استوار ہیں۔ جب تک اس کی زرعی بنیادیں مستحکم نہیں ہوتیں اس وقت تک صنعت بھی پوری طرح ترقی نہیں کر سکتی۔ سائنسی، فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم ترجیحاتی بنیادوں پر استوار کی جائے۔ اولین اہمیت ملکی ذرائع معیشت سے متعلق فنی اور پیشہ ور لوگوں کو دی جائے۔ ملک کو فوری طور پر ہل اور رہٹ کی جگہ ٹریکٹر اور ٹیوب ویل بنانے والے کاریگروں کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو دیہاتی لوہار اور ترکھان کو تربیت دے کر پورا کیا جائے، اسے دیہات میں جدید مشینری فراہم کی جائے اور قلیل المدت تربیتی کورسز کے ذریعے اسے جدید سائنسی و فنی علوم کے بنیادی اصول سمجھائے جائیں اور انہیں عملی طور پر کرنے کے قابل بنایا جائے۔ گاؤں کے موچی اور جولاہے کو جوتا سازی اور کپڑا بننے کے جدید اصولوں سے آگاہ کر کے مشینری سے کام لینے کی تربیت دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ کثیر المدت منصوبہ بندی کے ذریعے دیہاتی فنی ماہرین اور کاریگروں کو مکمل طور پر مشینری سے کام لینے کے قابل بنایا جائے تاکہ وہ دیہات کی بڑھتی ہوئی ضروریات کی بروقت کفالت کر سکیں۔

شہروں میں قائم شدہ فنی اور ٹیکنیکل اداروں کے نصاب تعلیم اور طریق تربیت کو ملک کی فنی اور ٹیکنیکل ضروریات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اس اصول کو ترجیح دی جائے کہ ان اداروں سے فارغ التحصیل کاریگر اور فنی ماہرین بنیادی طور پر ملکی معیشت کے استحکام میں مددگار ثابت ہوں گے۔ اس سے وہ خلا پر ہو سکے گا جو قدیم فنی ماہرین اور کاریگروں کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ نصاب تعلیم میں جدید سائنسی اور پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ طبقاتی تعصبات کی بیخ کنی بھی مقصود ہے۔ ملکی معیشت میں بنیادی عوامل اور مددگار عوامل برابر اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے واضح ہے

کے ہندووانہ طبقات کی جگہ اسلامی اخوت و مساوات کا نصاب تعلیم ترتیب دیا جائے۔ انما المومنون اخوۃ، مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ اور عزت و تکریم رنگ و نسل اور علاقے سے تعلق کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ اور بندوں کے حقوق کی بدرجۂ احسن بجا آوری پر ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ ان تعلیمات کو نصاب کا حصہ بنانے سے غیر انسانی طبقاتی نظام کی جگہ انسانی اور غیر طبقاتی نظام جنم لے گا، جس میں فنی ماہرین اور کاریگروں کو موچی اور جولاہے کے نام سے پکارنے کی بجائے تمام انسان محنت کش کہلائیں گے۔ وہ کھیت میں کام کریں یا کارخانے میں۔ اگر سائنسی، فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کو اس طرح ترتیب دیا جائے تو فنی ماہرین اور کاریگروں کو معاشی اور سماجی تحفظ ہر جگہ حاصل ہو جائے گا اور وہ نقل مکانی پر مجبور نہیں ہوں گے۔ اس طرح کسان کی مشکلات بھی آسان ہو جائیں گی۔ اسے فنی ماہرین اور کاریگروں کی خدمات پہلے کی طرح گاؤں میں دستیاب ہوں گی اور وہ شہری کاریگر کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو کر دلجمعی اور اطمینانِ قلب کے ساتھ اپنی پیداوار بڑھانے میں مصروف رہے گا۔

صنعت نے جو ہمہ گیر حیثیت حاصل کر لی ہے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر سائنسی اور فنی تعلیم میں دوسری ترجیح ان کاریگروں کو دی جانی چاہیے جو فنی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس میں بلاشبہ صنعتی ممالک کے علوم و تجارب ہماری بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس میں ایک بنیادی اصول کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ہر ملک اپنے حالات و ماحول کے مطابق اپنے تعلیمی اور تربیتی نظام وضع کرتا ہے۔ لیکن مختلف ملکوں کے نظاموں میں جو قدر مشترک ہوتی ہے وہ متعلقہ سائنس اور فن کے بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ اگر کوئی پسماندہ ملک کسی ترقی یافتہ ملک کے نظام کو بعینہٖ اپنانے کی کوشش کرے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہر ملک ترقی کے مختلف مراحل طے کر کے اپنا نظام وضع کرتا ہے۔ پسماندہ ملک کو بھی ان مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ جب پسماندگی اور ترقی کی درمیانی کڑیوں کو نظر انداز کر کے ایک دم ترقی یافتہ نظام کو اپنانے کی کوشش کی جائے تو ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اخذ و اختیار میں تقلید کی بجائے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کام دانشوروں کا ہوتا ہے کہ وہ ترقی یافتہ نظاموں کے بنیادی اصولوں کی کھوج لگائیں۔ ان اصولوں کی بنیاد پر اپنے حالات و ماحول کے مطابق اپنا نظام وضع کریں —— اس وقت قائم شدہ فنی اور تکنیکی اداروں میں سے بیشتر کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نظاموں کی صورت میں غیر ممالک سے درآمد کیے گئے ہیں، خود یہاں کے حالات و ماحول کے مطابق بنیادی اصولوں پر استوار نہیں کیے گئے اس لیے بے جوڑ پڑے ہیں۔ اور ملکی معیشت کے استحکام میں مددگار ثابت نہیں ہو رہے۔ بہتر صورت یہ ہوتی ہے کہ ملک میں موجود سائنسی، فنی اور پیشہ ورانہ اداروں میں نئے اور ترقی یافتہ اصولوں کو سمو کر انھیں ترقی یافتہ سطح پر لایا جائے۔ اس طرح ماضی کے جاندار اصول بھی باقی رہتے ہیں اور جدید ترقی یافتہ اصول بھی جذب کر لیے جاتے ہیں۔ قدیم و جدید کا یہ حسین امتزاج ملک و قوم کے مزاج کے بھی مطابق ہوتا ہے اور فنی ماہرین اور کاریگر بھی اسے آسانی سے اپنا کر معیشت میں مسلسل استحکام پیدا کرتے رہتے ہیں۔